خاتم النبیین لا نبی بعدی

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے
صاحب کو اپنے حسن پہ کتنا غرور تھا

محاسبہ

یعنی

عدالت تحقیقات فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء)
کی رپورٹ پر ایک جامع اور بلیغ تبصرہ

(مولانا مرتضیٰ احمد خان میکشؒ درانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

پیش لفظ

عدالت تحقیقات فسادات ۱۹۵۳ء کی رپورٹ جو مسٹر چیف جسٹس محمد منیر سابق چیف جسٹس ہائیکورٹ پنجاب حال چیف جسٹس فیڈرل کورٹ پاکستان اور مسٹر جسٹس محمد رستم کیانی جج ہائیکورٹ پنجاب نے دس ماہ کی لگاتار محنت شاقہ کے بعد تیار کی ہے۔ بہت ہی قیمتی اور غور طلب مندرجات کی حامل ہے۔ اس رپورٹ میں پاکستانی معاشرے کے متعدد اہم عناصر کے انداز فکر وطرز عمل کے نقائص پر تحقیقات کی تیز روشنی ڈالی گئی ہے۔ پاکستان کے ارباب دانش وبینش اگر چاہیں تو اس رپورٹ کے مندرجات کی روشنی میں اپنے ہاں کی کیفیات کا جائزہ لے کر ان نقائص کی اصلاح اور ان مسائل کے حل کی تدابیر سوچ سکتے ہیں۔ جن کی نشاندہی فاضل جج صاحبان نے مکمل اور ہمہ گیر تحقیقات کے بعد کر دی ہے۔

یہ مجمل سا تبصرہ اس خیال سے سپرد قلم کیا گیا ہے کہ عامتہ الناس کو بالعموم اور ملک کے ارباب فہم وفکر کو بالخصوص ان اہم کوائف ومسائل کی طرف توجہ دلائی جائے۔ جن کا ذکر فاضل جج صاحبان نے اس رپورٹ میں نہایت ہی فاضلانہ انداز سے کیا ہے۔ رپورٹ کے مندرجات کے متعلق پڑھے لکھے لوگوں میں بھی فکر وذہن کا بہت کچھ الجھاؤ نظر آ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت کم لوگوں نے اس رپورٹ کو اس توجہ کے ساتھ پڑھا جس کی وہ مستحق تھی۔ اس تبصرہ یا تعبیہ کو ضبط تحریر میں لانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس ذہنی الجھاؤ کو دور کرنے کی سعی کی جائے جو رپورٹ کے متعلق عامتہ الناس میں ترقی پذیر ہے۔ فقط!

۲۱ر اگست ۱۹۵۴ء، مرتضیٰ احمد خان میکش

عدالت تحقیقات فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء) کی رپورٹ پر تبصرہ

ایک ضخیم اور متنوع دستاویز

عدالت تحقیقات فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء) کی رپورٹ جو ایک ضخیم کتاب کی شکل میں شائع ہوئی ہے۔ اس ہاتھی کی مانند ہے جس کے مختلف اعضاء کو چھ اندھوں نے اپنے ہاتھوں سے ٹٹولا اور اپنی حس لامسہ کی مدد سے ہاتھی کے متعلق ہر ایک نے اپنا جدا جدا مخصوص تصور قائم کر لیا۔ ایک نے کہا، ہاتھی ایسا تھا جیسے عمارت کا ستون، دوسرا بولا ایک بہت بڑا چھاج، تیسرے

نے کہا موٹا سا اژدھا، چوتھے نے کہا کہ ہاتھ بھر کی موٹی رسی، پانچویں نے کہا نا ہموار سا چبوترہ، چھٹے نے ارشاد فرمایا وہ تو ایک دیوار سی تھی اور بس۔ اس رپورٹ نے بعینہ اسی قسم کی کیفیت عامتہ الناس میں پیدا کر رکھی ہے اور ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اس کے متعلق اپنا خیال اور تصور قائم کر چکا ہے یا کر رہا ہے۔

عدالت تحقیقات محض فسادات کی ذمہ داری کا سراغ لگانے اور فسادات کے سلسلے میں حکومت پنجاب کے اختیار کردہ ذرائع کا مکتفی یا نا مکتفی ہونا معلوم کرنے کے لئے معرض وجود میں لائی گئی تھی۔ لیکن اس کا دائرہ کار بتدریج وسیع تر ہوتا چلا گیا اور اس عدالت نے فسادات کے اسباب و علل کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش میں ایسے علمی، اور عملی کوائف کا جائزہ بھی لینا چاہا جو اس عدالت کے بجائے اگر کسی علمی بحث و مناظرہ کی مجلس میں پیش کئے جاتے تو مفید تر نتائج حاصل کئے جا سکتے تھے۔

عدالت کن نتائج پر پہنچی

حکومت کی کوتاہی

اہم امور تنقیح پر عدالت اس نتیجے پر پہنچی کہ پنجاب کی حکومت (میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کی مسلم لیگی وزارت) نے فسادات کا سدباب کرنے یا ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو ذرائع اختیار کئے وہ مکتفی نہ تھے۔ بلکہ حکومت قانون ملکی کے احترام کو قائم رکھنے اور امن و آئین کی حفاظت کرنے کے فرض کی کماحقہ بجا آوری سے قاصر رہی۔

فسادات کی ذمہ داری

ا.....احرار

دوسرے امر تنقیح یعنی فسادات کی ذمہ داری کے بارے میں عدالت کی تفتیش کا نتیجہ یہ ہے کہ ہنگامہ آرائی اور خلل امن کے اس حمام میں مارشل لاء کے حکام کے سوا باقی سب ننگے ہیں۔ عدالت نے فسادات کی کیفیت پیدا کرنے کی ذمہ داری بدرجہ اول مجلس احرار اور زعمائے احرار پر عائد کی ہے۔ جنہوں نے ایک مذہبی سوال کو عامتہ الناس میں ہر دل عزیزی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور قادیانیوں کے مقابلے میں ان سے شدید تر جارحانہ طرز عمل اختیار کیا۔

۲......قادیانی

قادیانیوں کے بارے میں عدالت تحقیقات اس نتیجے پر پہنچی کہ ان کے معتقدات مسلمانوں کے معتقدات سے متغائر ہیں اور مسلمانوں کے لئے ان کا طرز عمل، ان کی جارحانہ تبلیغ اور ان کے عزائم بدرجۂ غایت دل آزارانہ اور اشتعال انگیز ہیں۔ خود ان کے امام مرزا بشیر الدین محمود، چوہدری ظفر اللہ خان اور مرزائی سرکاری افسروں نے منافرت کے اس جذبے کو ترقی دی جو مسلمانوں میں مرزائیوں کے متعلق پہلے ہی سے بدرجۂ اتم موجود تھا۔ عدالت نے قادیانیوں کو فسادات کی براہ راست ذمہ داری سے بری قرار دیا۔ یعنی بالواسطہ ذمہ داری کا مورد ٹھہرایا۔

حکومت پنجاب اور میاں دولتانہ

عدالت نے حکومت پنجاب، بالخصوص پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کو فسادات کی ذمہ داری میں اس بناء پر شریک گردانا کہ اس حکومت نے احرار کی ایسی سرگرمیوں کو روکنے میں چشم پوشی اور رعایت سے کام لیا جو قانون کی زد اور گرفت میں آسکتی تھیں اور پبلک میں ہر دلعزیز بننے کی خاطر قانون و آئین کا احترام قائم رکھنے کے معاملے میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیا اور ایسے اخبارات کو مالی امداد دی۔ جو ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز کے ایما پر تحریک کو خاص رخ پر ڈالنے کے لئے مضامین شائع کرتے تھے۔

مرکزی حکومت اور خواجہ ناظم الدین

عدالت نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی مرکزی حکومت کو اس وجہ سے فسادات کا ذمہ دار قرار دیا کہ اس نے چوہدری ظفر اللہ خان کو محض باہر کے ملکوں کی چہ میگوئیوں کے خوف سے وزارت سے برطرف نہ کیا اور مسلمانوں کے مطالبات کو مسترد کر کے ہیجان عموی کو ترقی دی۔ مزید برآں عدالت نے تعلیمات اسلامیہ کے سرکاری بورڈ کو بھی ذمہ داری کا شریک ٹھہرایا۔ کیونکہ اس بورڈ کے ارکان بھی مجلس عمل کے اقدامات سے متفق تھے۔

مجلس عمل

عدالت کی رائے میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل اور علمائے دین کی وہ انجمنیں جنہوں نے مجلس عمل کی ساخت میں حصہ لیا اس بناء پر فسادات کی ذمہ داری میں شریک ہیں کہ مجلس عمل نے اپنی بات منوانے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔

جماعت اسلامی

مجلس عمل کو جن دینی انجمنوں نے تشکیل کیا تھا ان میں سے جماعت اسلامی نے عدالتِ تحقیقات کے سامنے اپنا کیس اس شکل میں پیش کیا تھا کہ جماعت اسلامی کو مجلس عمل کے فیصلہ "راست اقدام" سے اتفاق نہ تھا اور مجلس مذکور کا یہ فیصلہ آئینہ ہی نہ تھا۔ لہٰذا فسادات کی ذمہ داری سے جماعت اسلامی کا دامن پاک ہے اور وہ لوگ فسادات کی ذمہ داری میں شریک ہیں۔ جنہوں نے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔

جماعت اسلامی نے اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے شہادتیں پیش کیں اوران کے وکیل نے راست اقدام اور فسادات کی ذمہ داری کا بوجھ مجلس عمل کے ارکان پر ڈالنے کے لئے بہت کچھ زور استدلال صرف کیا۔ لیکن عدالت تحقیقات نے جملہ بیانات کی جرح وتعدیل کرکے اس نقطہ پر حسب ذیل فیصلہ دیا۔

۱...... جماعت اسلامی مجلس عمل پنجاب کا عضو تھی۔

۲...... یہ جماعت اس مجلس عمل کا ایک عضو بھی تھی۔ جسے آل پاکستان مسلم پارٹیز کونشن نے برپا کیا اور جس نے ۱۸؍جنوری ۱۹۵۳ء کو بمقام کراچی "راست اقدام" کی قرارداد منظور کی۔

۳...... مولانا سلطان احمد نے جو مجلس عمل کے اجلاس کراچی مورخہ ۲۶؍فروری میں حاضر تھے۔ مجلس عمل کی سرگرمیوں سے بے تعلقی کا اظہار نہیں کیا اور یہ پروگرام کہ گورنر جنرل اور وزیراعظم کے دولت کدوں کی طرف رضا کار بھیجے جائیں۔ اس کی موجودگی میں اور اس کی طرف سے کسی قسم کے احتجاج کے بغیر طے ہوا تھا۔

۴...... جماعت اسلامی کا کوئی نہ کوئی نمائندہ مجلس عمل کے اجلاسوں میں بمقام لاہور وکراچی شامل ہوتا رہا۔

۵...... اس تاریخ سے لے کر جس دن کہ راست اقدام کی قرارداد منظور ہوئی اس وقت تک جب کہ فسادات اپنے عروج پر تھے۔ جماعت اسلامی نے کوئی پبلک اعلان اس مضمون کا نہیں دیا کہ راست اقدام سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور وہ ان سرگرمیوں سے جو مجلس عمل کے طے کردہ پروگرام کو چلانے کے لئے کی جارہی ہیں۔ اپنے آپ کو الگ کرتی ہے۔

۶...... مولانا مودودی نے ۵؍مارچ کو گورنمنٹ ہاؤس میں تقریر کرتے ہوئے یہ

کہا کہ عامۃ الناس اور حکومت کے درمیان سول وار جاری ہے اور جب تک حکومت طاقت کا استعمال ترک کر کے عوام کے نمائندوں کے ساتھ بات چیت پر آمادہ نہیں ہوتی۔ امن کی اپیل شائع کرنے کا کوئی موقعہ نہیں۔

۷...... جماعت اسلامی نے ۵ مارچ کی قرارداد میں انہی خیالات و آراء کا اظہار کیا جو مودودی صاحب نے اسی دن گورنمنٹ ہاؤس میں ظاہر کئے تھے۔

(رپورٹ انگریزی ص ۲۵۱، ۲۵۲)

فاضل جج صاحبان نے جماعت اسلامی کے بیانات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے جماعت اسلامی کے ذہن کا صحیح طور پر مطالعہ کر لیا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ جماعت مذکورہ اس پروگرام کی موزونیت کی قائل نہ تھی جو راست اقدام کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لے طے ہوا تھا۔ لیکن وہ پبلک کے سامنے اپنے حقیقی خیالات کا کھلا اور دیانتدارانہ اظہار کرنے سے خائف تھی۔ تاکہ کہیں عوام میں نامقبول نہ ہو جائے۔ گویا اس ذہنیت اور روش میں وہ دوسری سیاسی جماعتوں یا شخصیتوں سے مختلف نہ تھی۔ یہ جماعت بھی دوسری کی طرح کوئی ایسی بات کرنے سے خائف تھی جو اسے عوام کی نکتہ چینی کا تختۂ مشق بنا دے۔"

(رپورٹ انگریزی ص ۲۵۳)

مسلم لیگ

عدالت کے خیال میں مسلم لیگ اس لئے ذمہ دار ہے کہ اس کی صوبائی کونسل نے ایسی قرارداد منظور کی۔ جس میں قادیانیوں کو مسلمانوں سے جداگانہ عقائد رکھنے والا گروہ قرار دیا اور مسلم لیگ کے بعض لیڈروں اور کارکنوں نے تحفظ ختم نبوت اور راست اقدام کی تحریکات میں عملی حصہ لیا اور مجلس عمل کا ساتھ دیا اور دوسرے لیڈروں اور کارکنوں نے راست اقدام کی تحریک کی مخالفت نہ کی۔ مزید برآں مسلم لیگ نے مقتدر سیاسی نظام کی حیثیت میں ان مسائل پر پبلک کی صحیح رہنمائی نہ کی۔

مجلس عمل کے مطالبات

فسادات کی ذمہ داری کے بارے میں عدالت تحقیقات کے فاضل جج صاحبان جن نتائج پر پہنچے ہیں۔ ان سے مترشح ہے کہ اگر اس ذمہ داری کی سزا موت تجویز کی جائے تو احرار کے زعما کو قادیانی کے لیڈروں اور قادیانی سرکاری افسروں کو۔ علمائے اسلام کی ایک کثیر جماعت کو خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کے جملہ ارکان کو تعلیمات اسلامیہ کے سرکاری بورڈ کے ممبروں کو میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کو تختہ دار پر لٹکا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن

اس کے باوجود فاضل جج صاحبان کے ارشاد کے مطابق مطالبات کا بچہ یعنی فساد کا مرکزی نقطہ پھر بھی زندہ رہتا ہے۔ اگر اس بچے کی پرورش کر کے اس سے کام لینے کے لئے کوئی طالع آزما گروہ کھڑا ہو جائے تو ملک میں پھر اسی قسم کی کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں۔ جو مارچ ۱۹۵۳ء کے اوائل میں لاہور اور پنجاب کے دوسرے مقامات پر دیکھنے میں آئیں۔

رپورٹ میں فاضل جج صاحبان نے احرار کی مذمت کرنے میں پورا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ایک دینی موضوع کو دنیوی مقصد کی خدمت پر لگا کر اس کا استخفاف کیا اور اپنی ذاتی اغراض کی خاطر عامۃ الناس کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

(رپورٹ انگریزی ص ۲۵۹)

لیکن جہاں تک موضوع فساد کے دینی ہونے کا تعلق ہے عدالت کو اس کی صحت، اہمیت اور موجودگی سے انکار نہیں۔ بلکہ عدالت نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مذہبی حیثیت سے اہم بنیادی اختلافات روزِ اول ہی سے موجود تھے اور موجود ہیں۔ اس سلسلے میں جس قدر نقاط مجلس عمل کی طرف سے عدالت کے سامنے پیش کئے گئے عدالت نے اپنی رپورٹ میں اس سب کا ذکر کر دیا ہے اور ان کی صحت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس سلسلے میں تنقیدات حسب ذیل ہیں۔

مسلمانوں اور قادیانیوں کے بنیادی مذہبی اختلافات

احمدی، قادیانی یا مرزائی

سرکاری کاغذات اور پولیس کی رپورٹوں میں اس کیفیت کو جو فسادات معلومہ پر منتج ہوئی۔ ''احرار احمدی اختلاف'' کی اصلاح سے تعبیر کیا جاتا تھا اور قادیانی اپنے آپ کو احمدی اور مسلمانوں کو غیر احمدی لکھنے کے عادی تھے۔ مجلس عمل اور اس کی حلیف جماعتوں کی طرف سے ان الفاظ و تراکیب کے استعمال پر اعتراضات وارد کئے گئے۔ جن کی صحت کو عدالت نے صحیح تسلیم کرتے ہوئے رپورٹ میں لکھا ہے۔ ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو جو مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان لوگوں سے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں: ممیز کرنے کے لئے لفظ ''مسلمان'' استعمال کریں اور احمدیوں کی قادیانی جماعت کے لئے جو مرزا غلام احمد کے نبی ہونے پر ایمان رکھتی ہے۔ ''احمدی'' قادیانی یا ''مرزائی'' کی اصطلاح استعمال کریں۔''

(رپورٹ انگریزی ص ۹)

مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت

مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کے سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے مسلمانوں اور قادیانیوں کے عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ "اگرچہ مرزا غلام احمد نے شروع شروع میں لوگوں کے سامنے اپنا ہاتھ اس ہدایت کے ساتھ پیش کیا کہ وہ اسے قبول کر لیں۔ تاہم یہ سوال تحقیق طلب ہے کہ آیا اس نے اپنی وحی کے متعلق وحی نبوت کے درجے کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں۔ جس پر ایمان لانے سے کوتاہی بعض روحانی اور اخروی نتائج کی حامل ہے۔ احمدیوں نے اور ان کے موجودہ امام نے احتیاط کو شانہ غور و فکر کے بعد ہمارے سامنے یہ پوزیشن اختیار کی ہے کہ مرزا غلام احمد نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن فریق ثانی شدت اصرار کے ساتھ مجادل ہے کہ اس نے ایسا کیا۔ احمدیوں کے لٹریچر میں جس میں مرزا غلام احمد اور احمدیہ جماعت کے موجودہ امام کی بعض تحریرات بھی شامل ہیں۔ بعض ایسے اظہارات موجود ہیں جو فریق مجادل کے دعویٰ کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے سامنے اب جو پوزیشن اختیار کی گئی ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے آپ کو محض اس لئے نبی کہا کہ اس کے الہام میں خدا نے اسے اسی طرح ظاہر کیا تھا۔ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔ نہ اس نے اصلی شریعت کو منسوخ کیا۔ نہ اس میں کچھ اضافہ کیا۔ نیز یہ کہ کوئی شخص مرزا قادیانی کی وحی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے یا اس وحی پر ایمان لانے سے محروم یا قاصر رہ جانے کے باعث دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ہم پیش ازیں لکھ چکے ہیں کہ ہمارا منصب یہ نہیں کہ ہم اس بات کا فیصلہ کریں کہ آیا احمدی دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا نہیں۔ ہم نے اس نقطہ کا ذکر محض اختلافات کی تشریح کرنے کے خیال سے کیا ہے جو احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان مبینہ طور پر موجود ہیں۔ ہم اس امر کا فیصلہ غیر احمدیوں پر چھوڑتے ہیں کہ (اس نئی پوزیشن کے اعلان کے بعد) وہ احمدیوں کو مسلمان سمجھیں یا نہ سمجھیں۔"

(رپورٹ انگریزی ص ۱۸۹)

قادیانی وکیل نے عقیدہ اجرائے نبوت کی تائید میں قرآن پاک کی جو آیات پیش کیں اور جس نوعیت کے استدلال سے کام لیا۔ اس پر فاضل جج صاحبان نے رائے زنی کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ "ایک سلسلہ استدلال کی بناء پر قرآن پاک کی ان آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مستقبل میں یعنی ہمارے رسول اقدس و اطہر ﷺ کے بعد بھی ایسے لوگ ظاہر ہوتے رہیں گے جن پر لفظ نبی یا رسول کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہاں اس سلسلہ استدلال کی تشریح

کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نہ تو ہم اس امر کا فیصلہ کرنے کے مکلف ہیں نہ ہم سے اس کی توقع کرنی چاہیے کہ آیات مذکورہ کی کون سی مخصوص تفسیر صحیح یا غلط ہے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۸۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات وممات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور قیامت کے قریب ان کے نزول کے بارے میں قادیانیوں کے عقائد اور آیات متعلقہ کی قادیانی تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان لکھتے ہیں کہ: "مولانا مرتضیٰ احمد خان نے مجلس عمل کی جانب سے بحث کرتے ہوئے بتایا کہ ان آیات اور بعض دیگر آیات قرآنی کی احمدی تفسیریں تاویل وتحریف کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں اور اس قسم کی تاویل وتحریف کفر وارتداد پر مستلزم ہے جو اس کے مرتکب کو حلال الدم والمال کے فتویٰ کا مستوجب بنا دیتی ہے۔ یعنی ایسے شخص کا خون اور مال (از روئے شریعت اسلام) مباح ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس اختلاف کے حسن وقبح پر اپنی رائے ظاہر کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ جس کا مرکزی نقطہ سورہ ۴۳ کی آیت ۵۷ کے لفظ اور مادہ "ولی" کے مشتقات جو آیات محولہ بالا میں آئے ہیں۔ نیز سورہ ۴۳ کی آیت ۶۱ کا لفظ انہ ہے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۱)

جہاد کے بارے میں قادیانی عقائد

جہاد کے قرآنی حکم کی تنسیخ کے بارے میں قادیانیوں کی طرف سے جو صفائی پیش کی گئی اس کا ذکر بالوضاحت کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان نے تحریر کیا ہے۔

"جہاد کے بارے میں مرزا قادیانی کی نشریات کا عام انداز ظاہر کرتا ہے کہ یہ تحریریں ان واقعات کے سلسلے میں لکھی گئیں جو ان دنوں سرحد پر رونما ہو رہے تھے اور جہاں برطانوی افسروں کے پے در پے قتل کی وارداتیں واقع ہوتی رہتی تھیں۔ ہر برطانوی افسر کو جو ہندوستان میں آتا تھا ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ غازی یعنی افغان یا قبائلی مذہبی دیوانے سے محتاط رہے۔ جو کافر کو قتل کرنا مذہبی حیثیت سے کار ثواب اور مالی حیثیت سے نفع بخش خیال کرتا ہے تاکہ بہشت میں اجر پائے۔ ایسے حملے اگر ان کا محرک مذہبی جوش تھا بلاشبہ اسلامی عقیدۂ جہاد کے منافی تھے اور مرزا قادیانی نے اس اعتقاد کی تردید کر کے اچھا کام کیا۔ لیکن حکم جہاد کی جو تشریح مرزا قادیانی نے کی اسے انہوں نے ان متملقانہ اور خوشامدانہ بیانات سے جو اس تشریح میں مہربان حکومت برطانیہ اور اس کی مذہبی رواداری کی پالیسی کے بارے میں لکھے۔ مشتبہ بنالیا جب مرزا قادیانی نے اس عدم رواداری جو مسلمان ملکوں میں پائی جاتی تھیں اور انگریزوں کی فراخ دلانہ مذہبی حکمت عملی کے درمیان تحقیر آمیز مقابلہ وموازنہ شروع کر دیا تو مسلمانوں میں مزید غصہ واشتعال پیدا ہوا۔ معلوم

ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کو اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ ان کے پیش کردہ عقائد کو اسلامی ملکوں میں ارتداد کی نشر و اشاعت پر محمول کیا جائے گا۔ جب افغانستان میں عبداللطیف (نامی ایک قادیانی) کو سنگسار کر دیا گیا تو ان کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی ہو گی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں جس میں ترکی نے شکست کھائی جب ۱۹۱۸ء میں انگریزوں نے بغداد فتح کیا تو قادیان میں جشن فتح منایا گیا۔ اس بات نے مسلمانوں کے قلوب میں سخت رنج اور تلخی پیدا کر دی اور وہ احمدیت کو برطانیہ کی لونڈی خیال کرنے لگے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۶)

اسلامی اصطلاحات کا استعمال

عدالت تحقیقات نے قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کی ایک اور بہت بڑی شکایت کی صحت کو بھی من و عن تسلیم کر لیا ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنی تحریرات میں انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور سید المرسلین ﷺ پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے مسلمانوں کی سخت دل آزاری کی ہے اور قادیانی اپنی مطبوعات میں مسلمانوں کی مقدس مصطلحات مثلاً امیر المؤمنین، ام المؤمنین، سیدۃ النساء، صحابہ کرامؓ کو جن کا محل استعمال مخصوص ہو چکا ہے۔ اپنے اکابر کے لئے استعمال کر کے دل آزاری کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ فاضل جج تحریر فرماتے ہیں کہ: "ہمارا وظیفہ یہ نہیں کہ ہم اس امر کا فیصلہ کریں کہ آیا یہ نام صحیح طور پر استعمال کئے گئے یا نہیں۔ لیکن ان اصطلاحات کے استعمال سے مسلمانوں کے احساسات پر جو اثر ہوتا ہے اس کے متعلق ہمیں ذرہ بھر شک نہیں۔ یہ اصطلاحات اپنے مخصوص اور محدود استعمال کی وجہ سے مقدس بن چکی ہیں اور تاریخ اسلام کی بعض اعلیٰ ہستیوں کی یاد سے مختص ہو چکی ہیں۔ اس طرح احمدیوں کے لٹریچر میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے خاندان (اہل بیت) کی بعض خواتین کے متعلق جو ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں بھی ہماری رائے یہی ہے۔ اگرچہ اس شکایت کی ایک مثال غالباً زیادہ بیہودہ صورت میں قلائد الجواہر میں بھی موجود ہے۔ بلاشبہ حضرت رسول اکرم ﷺ اور کسی اور زندہ یا مردہ شخص کے درمیان کسی قسم کا موازنہ ہر مومن کے لئے دل آزاری کا موجب ہے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۷)

پاکستان کی مخالفت

عدالت تحقیقات نے اس امر پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ قادیانی نہ صرف دیگر اسلامی مملکتوں پر برطانیہ کے راج کو ترجیح دیتے تھے۔ بلکہ تقسیم ملکی سے پہلے وہ پاکستان کی اسلامی مملکت کے قیام کے بھی مخالف تھے اور اب بھی اس امر کے خواہاں ہیں کہ ہندوستان پھر سے متحد ہو کر اکھنڈ بھارت بن جائے۔ فاضل جج صاحبان نے اس نقطہ پر حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے۔

"جب تقسیم ملک کے ذریعے سے مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ وطن کے امکانات افق پر نمودار ہونے لگے تو آنے والے واقعات کا سایہ احمدیوں کو فکرمند بنانے لگا۔ ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کے آغاز تک احمدیوں کی بعض تحریرات منکشف ہیں کہ وہ برطانیہ کا جانشین بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن جب پاکستان کا دھندلا سا رؤیا ایک آنے والی حقیقت کی شکل اختیار کرتا نظر آنے لگا تو وہ محسوس کرنے لگے کہ ان کے لئے اپنے آپ کو ایک نئی مملکت کے تصور پر راضی کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ وہ ضرور اپنے آپ کو ایک عجیب مخمصے میں مبتلا محسوس کرتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ نہ تو ایک ہندو دینوی حکومت یعنی ہندوستان کو اپنے لئے پسند کر سکتے تھے۔ نہ پاکستان کو منتخب کر سکتے تھے۔ جہاں اس امر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اعتزال و تفریق کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ان کی بعض تحریرات ظاہر کرتی ہیں کہ وہ تقسیم ملک کے خلاف تھے۔ لیکن اگر تقسیم معرض عمل میں آجائے تو وہ ملک کو از سر نو متحد کرنے کے لئے کوشاں رہیں گے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۶)

مسلمانوں سے علیحدگی

عدالت نے اس امر کو بھی تسلیم کر لیا کہ احمدی سرکاری افسر اور ملازم دوسروں کا مذہب تبدیل کراتے رہے ہیں۔ (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۷)

اور اپنی جداگانہ جماعتی تنظیم رکھتے ہیں۔ اس تنظیم کے دفاتر میں امور خارجہ کا محکمہ بھی ہے اور امور داخلہ۔ امور عامہ اور نشر و تبلیغ کے محکمے بھی قائم ہیں۔ ان کے ہاں رضا کاروں کا ایک جیش بھی ہے۔ جس کا نام خدام الدین؟ (خدام الاحمدیہ) ہے جو فرقان بٹالین یعنی کشمیر میں کام کرنے والے مخصوص احمدی بٹالین پر مشتمل ہے۔ وہ مسلمانوں سے رشتے ناطے کا تعلق بھی نہیں رکھتے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۸)

وہ کسی مسلمان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اس سلسلے میں قادیانی فریق نے عدالت کے سامنے اپنے طرز عمل کی جو تصریح پیش کی اور نئی پوزیشن بیان کی۔ اس بارے میں عدالت کا فیصلہ یہ ہے کہ: "یہ توجیہہ صورت حال کو بہتر نہیں بناتی۔ کیونکہ اس خیال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسے متوفی کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس طرح یہ نئی توجیہہ درحقیقت ان کے موجودہ طرز عمل کی تصدیق کرتی ہے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۹)

تکفیر مسلمین

تکفیر مسلمین کے بارے میں قادیانی فریق کی طرف سے جو نئی توجیہات عدالت کے سامنے پیش کی گئیں ان کے بارے میں فاضل جج صاحبان کی رائے یہ ہے کہ: "ہم نے اس

موضوع پر احمدیوں کے سابقہ اعلانات دیکھے ہیں۔ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ہمارے نزدیک یہ اعلانات اس کے سوا...... اور کسی تشریح کے حامل نہیں کہ جو لوگ مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان حضرت رسول اقدس واطہر ﷺ کے بعد کسی مامور من اللہ کے دعویٰ کو قبول نہ کرے وہ اللہ اور رسول کا منکر نہیں۔ لہٰذا وہ امت میں داخل ہے۔ یہ توجیہ ان کے سابقہ اعلانات سے مختلف نہیں کہ دوسرے مسلمان کافر ہیں۔ حقیقتاً یہ الفاظ ان کے سابقہ اعتقاد کی بالواسطہ از سر نو تصدیق کرتے ہیں کہ ایسے لوگ صرف اس معنیٰ میں مسلمان ہیں کہ وہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی امت میں سے ہیں اور اس لحاظ سے ایسے سلوک کے مستحق ہیں جو مسلمانوں کے معاشرہ کے افراد سے ہونا چاہئے۔ یہ بات یہ کہنے سے بہت مختلف ہے کہ وہ مسلمان ہیں کافر نہیں۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۹)

اشتعال انگریزیاں

عدالت نے قادیانی اکابر کی تحریروں اور تقریروں کے اشتعال انگیز ہونے کا نوٹس بھی لیا ہے۔ خونی ملا کے آخری دن کے عنوان والے مضمون کے بارے میں فاضل جج صاحبان نے لکھا ہے کہ: "یہ مضمون قطعی طور پر اشتعال انگیز ہے۔ اس مضمون میں مولانا احتشام الحق اور مولانا محمد شفیع ایسے علماء کے بارے میں جو مجلس دستور ساز سے ملحقہ تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے رکن ہیں۔ نیز مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں، جن کے وسیع مبلغ علم دین سے کسی کو مجال انکار نہیں جو استہزاء آمیز کلمات درج ہیں۔ ان سے نہ صرف ان علماء کی جن کے نام اس مضمون میں لئے گئے ہیں، بلکہ سارے علماء کی دل آزاری ہوئی ہوگی۔" (رپورٹ انگریزی ص ۱۹۷، ۱۹۸)

اسی سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے مرزا بشیر الدین محمود کی تقریر کوئٹہ (مطبوعہ الفضل مورخہ ۱۳ راگست ۱۹۴۸ء) جس میں بلوچستان کو خالص مرزائی صوبہ بنا کر تبلیغ احمدیت کا بیس بنانے کے عزائم کا اظہار کیا گیا۔ ان کے خطبہ جلسۂ ربوہ (مطبوعہ الفضل مورخہ ۳ رجنوری ۱۹۵۲ء) جس میں مخالفین احمدیت کو دھمکی دی گئی ہے کہ عنقریب مرزا قادیانی یا ان کے کسی جانشین کے سامنے مجرموں کی طرح پیش ہوں گے اور ان کے خطبہ جمعہ (مطبوعہ الفضل مورخہ ۱۱ رجنوری ۱۹۵۲ء) جس میں احمدیوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ فوجی محکمہ کی طرح گورنمنٹ کے دوسرے محکموں میں بھی بھرتی ہونے کی کوشش کریں۔ تاکہ تبلیغی پروگرام کو تقویت پہنچے اور اعلان (مطبوعہ الفضل مورخہ ۱۶ رجنوری ۱۹۵۲ء) جس میں احمدیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دو کہ ۱۹۵۲ء کے گزرنے سے پہلے پہلے دشمن احمدیت کے آغوش میں گرنے پر مجبور ہو جائے اور بعض

دوسری تحریرات کی اشتعال انگیزانہ ماہیت کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ احمدیوں کی جارحانہ تبلیغ نہ صرف پاکستان میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ہنگاموں اور حملوں کی وجہ بنتی رہی ہے۔

(رپورٹ انگریزی ص ۱۹۹، ۲۰۰)

فاضل جج صاحبان نے قادیانیوں کی اشتعال انگیزیوں کے سلسلے میں چوہدری ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان کی اس تقریر کا تذکرہ اس موقع پر تو نہیں کیا جو انہوں نے جہانگیر پارک کراچی کے ایک جلسۂ عام میں مورخہ ۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کو کی تھی اور جس کی وجہ سے ملک بھر میں غصہ واشتعال کی ایک زبردست لہر پیدا ہوگئی تھی۔ البتہ رپورٹ کے ابتدائی حصے میں جہاں واقعات کی رفتار کو سلسلہ وار درج کیا گیا ہے۔ اس تقریر کا اور اس سے پیدا ہونے والے ہیجان اور ہنگاموں کا جامع تذکرہ فاضل جج صاحبان کی طرف سے کسی قسم کے تبصرے کے بغیر موجود ہے۔

(رپورٹ انگریزی ص ۷۵ تا ۷۷)

قادیانیوں کی ذمہ داری

رپورٹ کے حصہ بعنوان ذمہ داری میں فاضل جج صاحبان نے احمدیوں کے متعلق حسب ذیل شذرہ سپرد قلم کیا ہے۔ ''احمدی براہ راست یا بلاواسطہ فسادات کے ذمہ دار نہیں۔ کیونکہ فسادات حکومت کے اس اقدام کا نتیجہ تھے جو اس پروگرام کے خلاف اختیار کیا۔ جس پر چلنے کا فیصلہ آل مسلم پارٹیز کنونشن نے قرارداد راست اقدام کے ماتحت کیا تھا۔ لیکن مطالبات احمدیوں کے متعلق تھے اور وہ احمدیوں کے عجیب وغریب مخصوص عقائد اور ان کی سرگرمیوں نیز ان کی طرف سے دوسرے مسلمانوں پر اپنے ممتاز ہونے پر زور دیئے جانے کی وجہ سے وضع ہوئے۔ از بس کہ یہ عقائد اور سرگرمیاں بلاشبہ مطالبات کے وقوع میں آنے کا سبب تھیں۔ اس لئے اس بات کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا احمدی فسادات کا محرک ہونے میں حصہ دار ہیں یا نہیں۔ مسلمانوں کے سواد اعظم سے ان کے اختلافات نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے چلے آرہے تھے اور تقسیم ملکی سے پہلے احمدی کسی قسم کی رکاوٹ یا بندش کے بغیر اپنا پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور لوگوں کو مرتد بنانے کی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ پاکستان کے قیام کی بدولت کیفیت حال تمام وکمال بدل گئی۔ اگر احمدیوں نے یہ خیال کیا کہ اس بارے میں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی پالیسی کے اعلان کا نہ ہونا کہ پاکستان کے اندر اسلام کے سوا دیگر مذہب یا دائرہ اسلام کے فرقہ وارانہ عقائد کی تبلیغ واشاعت کی اجازت کس حد تک دی جاسکتی ہے۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نئی مملکت میں ان کی سرگرمیاں خفگی پیدا نہیں کریں گی اور نوٹس میں آئے بغیر جاری رکھی جاسکیں گی تو وہ اپنے آپ کو بیوقوف بنارہے تھے۔

تبدیل شدہ حالات نے ان کی سرگرمیوں میں کسی قسم کی جوابی تبدیلی پیدا نہ کی۔ ان کی جارحانہ تبلیغ اور غیر احمدی مسلمانوں کے متعلق ان کے دل آزارانہ اظہارات جاری رہے۔ مرزا بشیر الدین محمود کی کوئٹہ والی تقریر جس میں اس نے اس صوبے کی ساری آبادی کو احمدی بنا لینے اور اسے مزید کارروائیوں کے لئے بیس (مرکز) بنانے کی کھلم کھلا تلقین کی نہ صرف بداندیشہ نہ تھی۔ بلکہ اس کے علاوہ نادانشمندانہ اور اشتعال انگیز بھی تھی۔ اسی طرح اپنے متبعین کو اس کی یہ ہدایت کہ وہ احمدیت کی تبلیغ کے لئے اپنے پروپیگنڈا کو اس قدر تیز کر دیں کہ ساری مسلمان آبادی ۱۹۵۲ء کے اختتام سے پہلے پہلے احمدیت کی آغوش میں آ گرے۔ مسلمانوں کے لئے ان کی ارتداد آفرین سرگرمیوں کا ایک کھلا نوٹس تھی اور ان لوگوں کو جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتے۔ دشمن یا مجرم یا صرف مسلمان کے الفاظ سے یاد کرنا ایسے اشخاص کو اشتعال دلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جن کی توجہ ان الفاظ کی جانب مبذول کرائی جاتی۔ احمدی افسر سمجھتے تھے کہ ارتداد پھیلانے کے معرکے میں پوری تن دہی اور دل جمعی کے ساتھ حصہ لینا ان کا مذہبی فرض ہے۔ احمدی افسروں کی اس روش نے احمدیوں کے حوصلے اور بھی بڑھا دیئے اور وہ ایسی جگہوں پر جہاں انہیں افسروں کی تائید حاصل تھی یا وہ اس کی توقع رکھتے تھے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے زیادہ قوت کے ساتھ کام کرنے لگے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر منٹگمری کا انتظامی افسر اعلیٰ احمدی نہ ہوتا تو احمدی کبھی غیر احمدیوں کے ایک مجموعہ دیہات کی طرف تبلیغی مشن پر جانے کی جرأت نہ کرتے۔ جب کوئی سرکاری افسر اپنے فرقہ وارانہ خیالات کا اظہار کھلے بندوں کرنے لگے۔ جیسا کہ بعض احمدی افسروں نے کیا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایسے جھگڑوں میں جہاں اس کی اپنی جماعت کا کوئی فرد شامل ہو اس کی غیر جانب داری اور بے طرفی پر سے اعتماد یکسر اٹھ جائے۔ اس کا فیصلہ خواہ کتنا ہی صحیح اور دیانت دارانہ ہو۔ لیکن اگر وہ فیصلہ کسی ایسے شخص کے خلاف ہے جو اس کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا تو وہ یہ اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے فرقہ وارانہ وجوہ کی بناء پر بے انصافی کا شکار بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ان افسروں کا طرز عمل بہت ہی افسوس ناک اور بدبختانہ تھا اور ظاہر کرتا تھا کہ یہ افسر اس اصول کو سمجھنے اور اخذ کرنے سے قاصر ہیں۔ جسے ہر سرکاری افسر کو اپنی روش پر حکم فرما بنانا چاہئے۔ بنابریں ہم مطمئن ہیں کہ اگرچہ احمدی فسادات کے براہ راست ذمہ دار نہیں۔ لیکن ان کی اپنی روش نے ان کے خلاف ایک عام شورش کو ابھرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ اگر (عوام کے) احساسات ان کے خلاف اس قدر تیز نہ ہوتے تو ہمارا خیال ہے کہ احرار کبھی اپنے ارد گرد مختلف العقائد مذہبی جماعتوں کو جمع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔"

(رپورٹ انگریزی ص ۲۶۰، ۲۶۱)

فاضل جج صاحبان نے اگرچہ قادیانیوں کو فسادات کا براہ راست ذمہ دار قرار نہیں دیا۔ تاہم اس سلسلے میں مجلس عمل کے پیش کردہ نقاط کو من وعن صحیح تسلیم کرتے ہوئے تحریر فرمادیا ہے کہ فسادات کی بالواسطہ ذمہ داری قادیانیوں کے عجیب وغریب عقائد، ان کی جارحانہ اور اشتعال انگیزانہ سرگرمیوں اور قادیانی سرکاری افسروں کے ناروا شوق تبلیغ پر عائد ہوتی ہے۔ جو پاکستان میں مذہبی تفوق حاصل کرنے کی غرض سے اختیار کیا گیا۔

علمی دینی اور نظریاتی حیثیت کے مسائل

فاضل جج صاحبان نے اس رپورٹ میں ان علمی، دینی اور نظریاتی حیثیت کے مسائل ونقاط پر بھی تبصرہ آرائی اور خامہ فرسائی کی ہے جو تحقیقات کے دوران میں زیر تدقیق آئے۔ راقم الحروف کے خیال میں عدالت مذکور کا ایوان ان علمی اور نظریاتی مسائل کی تحقیق وتدقیق کے لئے موزوں مقام نہ تھا۔ اس کے بجائے اگر یہ مسائل کسی جداگانہ علمی مجلس یا دیوان عالی کے سامنے زیر بحث لائے جاتے تو مفید تر نتائج حاصل ومترتب کیے جاسکتے تھے۔ فاضل جج صاحبان نے چند ایک علمائے دین اور دیگر گواہوں کے ان بیانات کی بناء پر جو ان سے عدالت کے اندر بر سبیل تعجیل وارتجال حاصل کیے گیے۔ ان اہم ترین مسائل کا تذکرہ رپورٹ میں کردیا ہے۔ جو بہت کچھ غور وفکر اور تحقیق وتعدیل کے محتاج ہیں۔ ان مسائل کے متعلق صحیح نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اس مقصد کے لئے مخصوص دیوان عالی مقرر کیا جاتا اور اس میں تنقیحات معین کرکے ارباب علم کو اظہار فکر ورائے کی دعوت دی جاتی۔ عدالت مذکور کے لئے افراد وجماعات کے اعمال کا جائزہ لینا تحقیقات کی معینہ تنقیحات کے پیش نظر ضروری تھا۔ لیکن عدالت نے علمی نظریات وتصورات کو بھی کٹہرے میں لاکر کھڑا کرلیا اور ان "ملزمان" کو موقع نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی صفائی میں اپنے حسب منشاء گواہ یا وکیل پیش کرسکیں۔ ایسے ملزمان جو فاضل جج صاحبان کے ریمارکس کا تختہ مشق بنے۔ حسب ذیل ہیں۔

۱...... آل مسلم پارٹیز کنونشن کے مطالبات۔

۲...... مسلم ومؤمن کی تعریف۔

۳...... مسئلہ قتل مرتد۔

۴...... مسئلہ جہاد۔

۵...... مسئلہ مال غنیمت و خمس۔

۶...... اسلامی ریاست۔

۷...... جمہوریت۔

۸...... نمائندہ حکومت اور نفاذ قانون و استحفاظ آئین۔

۹...... لہو و لعب اور اسلام۔

۱۰...... آرٹ اور اسلام۔

۱۱...... بین الاقوامی قوانین و مجالس اور اسلام۔

۱۲...... حدیث و سنت۔

۱...... مجلس عمل کے مطالبات

فاضل جج صاحبان نے آل مسلم پارٹیز کنونشن کے سہ گانہ مطالبات کو ''فسادات کی براہ راست علت'' قرار دیا ہے۔ (رپورٹ انگریزی ص ۱۸۵،۱۸۴) لیکن اس کے ساتھ ہی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مقصد جس کے لئے تحریک اٹھائی گئی۔ خالصۃً دینی تھا۔ (رپورٹ انگریزی ص ۲۵۹) عدالت نے اپنی رپورٹ میں کسی مقام پر بھی مطالبات کو فضول اور بیہودہ قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ بعض سرکاری افسروں نے اپنے بیانات میں اور اپنی رپورٹوں میں جو عدالت کے سامنے پیش کی گئیں ظاہر کیا تھا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ: ''مطالبات ایسے خوشنما انداز میں پیش کئے گئے کہ اس زور تاکید کے پیش نظر جو اسلامی یا اسلامی ریاست سے دور کا تعلق رکھنے والی کسی بات پر دیا جانا ضروری تھا۔ کسی شخص کو ان کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حتی کہ مرکزی حکومت کو جرأت نہ ہوئی کہ ان چند مہینوں میں جب کہ تحریک اپنی جملہ پیچیدگیوں کے ساتھ عروج اظہار پر تھی۔ اس موضوع پر کوئی ایک آدھ اعلان عام ہی شائع کر دیتی۔'' (رپورٹ انگریزی ص ۲۳۵)

فاضل جج صاحبان نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ علمائے اسلام کے یہ مطالبات مان لئے جاتے تو فساد برپا نہ ہوتا۔ اس صورت میں ''چوہدری ظفر اللہ خان کے عزل و طرد پر بین الاقوامی حلقوں میں کچھ ہلچل مچتی۔ لیکن پاکستان کی آبادی (حکومت کے) اس اقدام پر نعرہ ہائے تحسین بلند کرتی۔'' (رپورٹ انگریزی ص ۲۸۲)

فاضل جج صاحبان نے کیفیت حالات کا تجزیہ کر کے ان اسباب وعلل کو ڈھونڈ نکالنے کی سعی کی ہے۔ جن کی بناء پر خواجہ ناظم الدین اور ان کی حکومت نے اپنے ہاں کے عوام کے یہ سادہ سے مطالبات منظور کرنے کے بجائے ملک کو ایسے خطرات میں ڈالنا گوارا کر لیا جو مارشل لاء کے نفاذ پر منتج ہوئے۔ اگر خدانخواستہ مارشل لاء بھی امن وآئین کے قیام وتحفظ کے مقصد میں ناکام رہ جاتا تو نہ معلوم پاکستان کا حشر کیا ہوتا؟ فاضل جج صاحبان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خواجہ ناظم الدین نے کسی ملکی مفاد کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔ بلکہ انہیں باہر کے ان ملکوں کی رائے کا خوف لاحق تھا۔ جہاں چوہدری ظفر اللہ خان کو بہت کچھ عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ بقول عدالت انہیں خوف تھا تو یہ کہ: "چوہدری ظفر اللہ خان بین الاقوامی دنیا میں بہت شہرت رکھتے ہیں اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی برطرفی کی خبر بڑے وسیع پیمانے پر نشر ہوگی اور بین الاقوامی تنقیدات کا مورد بنے گی۔ اس برطرفی کی کوئی ایسی تشریح جو بین الاقوامی ضمیر کو مطمئن کر سکتے تلاش کرنا مشکل ہوگا...... لہٰذا مطالبات کی منظوری بین الاقوامی دنیا میں چہ میگوئیوں کے دروازے کھول دیتی اور بین الاقوامی دنیا کی توجہ نفیاً یا اثباتاً پاکستان کے واقعات کی رفتار کی طرف جلب ہونے لگتی۔" (رپورٹ انگریزی ص ۲۳۲)

فاضل جج صاحبان نے یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ ناظم الدین کو یہ خیال بھی تھا کہ ہندوستان بھی اسی صورت میں پاکستان کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔

(رپورٹ انگریزی ص ۲۳۳،۲۳۲)

قصہ مختصر فاضل جج صاحبان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ: "اگر مطالبات منظور کر لئے جاتے تو پاکستان کو بین الاقوامی سوسائٹی سے خارج کر دیا جاتا۔" (رپورٹ انگریزی ص ۲۸۲)

فاضل جج صاحبان نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خواجہ ناظم الدین محض باہر کی دنیا کی نظروں میں پاکستان کو نکو بنانے کے خوف سے پہلے تو مطالبات کے بارے میں علماء سے گفت وشنید کرتے رہے تاکہ وہ اپنے اصرار سے باز آجائیں اور آخرکار انہوں نے مطالبات کو مسترد کر دیا اور اس بچے کو قتل کر کے اسے ختم کر دینے کے درپے ہو گئے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے باوجود فاضل جج صاحبان کی رائے میں مطالبات کا یہ بچہ جسے احرار نے پیدا کیا اور علمائے اسلام نے اپنایا اور دولتانہ نے کراچی کی جانب نہر کھدوائی اور اس بچے کو صندوق میں ڈال کر اس نہر میں

مرکزی حکومت کی طرف بہادیا۔

''ابھی زندہ ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کوئی آئے اور اسے اٹھالے۔ پاکستان کی دولت خداداد میں سیاسی زہرنوں طالع آزماؤں اور مجہول الکیفیت لوگوں سب کے لئے پہنچنے کا موقع ہے اور کوئی بھی اس بچے کو اپنی گود میں لے کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ ہمارے سامنے جن دو شخصوں نے ایسے کیریئر سے انکار کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو خان سردار بہادر خان وزیر مواصلات پاکستان ہیں اور دوسرے مسٹر حمید نظامی ایڈیٹر ''نوائے وقت'' ان دونوں نے اس بچے سے بیزاری کا اظہار کیا۔ خواہ اس کے نتائج کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔'' (رپورٹ انگریزی ص ۲۸۶)

فاضل جج صاحبان کے ان ریمارکس سے واضح طور پر کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ آیا عدالت نے اس بچے کو جسے باشندگان ملک کی بھاری اکثریت کی سرپرستی حاصل ہے۔ عصر حاضر کی بین الاقوامی دنیا کی چہ میگوئیوں کے خوف سے کشتنی اور گردن زدنی قرار دے دیا ہے یا اس کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ چاہا ہے کہ سیاسی رہزن، طالع آزما اور مجہول الکیفیت اشخاص اس کے سرپرست نہ بننے پائیں اور اسے اپنے دنیوی اغراض کے لئے استعمال نہ کریں۔

۲...... مسلم کی تعریف

عدالت تحقیقات کے فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ہم نے بعض سرکردہ علماء سے مسلم کی معین تعریف کرنے کے متعلق سوالات کئے۔ لیکن ''تحقیقات کے اس حصے کے نتائج اور کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ لیکن تسلی بخش نہ تھے۔ اگر ایسے آسان سے مسئلے پر علماء کے دماغوں میں کافی حد تک الجھاؤ موجود ہے تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ پیچیدہ تر امور میں ان کے باہمی اختلافات کی حالت کیا ہوگی۔'' (رپورٹ انگریزی ص ۲۱۵)

اس کے بعد رپورٹ میں بعض علمائے کرام کے وہ جوابات درج کئے گئے ہیں جو انہوں نے عدالت کے سوالات پر بیان کئے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ: ''(مسلم کی) ان متعدد تعریفات کو جو علماء نے کیں پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس کے سوا اور کیا تبصرہ کر سکتے ہیں کہ کوئی سے دو عالم دین اس بنیادی مسئلے پر متفق نہیں۔ اب اگر ہم ان علماء کی طرح اپنی طرف سے مسلم کی تعریف لکھیں اور وہ تعریف ان سب علماء کی پیش کردہ تعریف سے مختلف ہو تو ہم ان سب کے اتفاق سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیئے جائیں گے اور اگر ہم ان میں سے کسی ایک عالم کی پیش کردہ تعریف کو اختیار کریں تو ہم اس عالم دین کی رائے کے مطابق تو مسلمان رہیں گے۔ لیکن

دوسرے علماء کی پیش کردہ تعریف کے مطابق "کافر" بن جائیں گے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۲۱۸)

مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ فاضل جج صاحبان کا استنباط صحیح نہیں۔ علمائے دین نے عدالت کے اس سوال کے جواب میں جو بیانات دیئے وہ الفاظ و عبارت کے لحاظ سے تو بلاشبہ ایک نہیں۔ لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے ان میں کسی قسم کا اختلاف نظر نہیں آتا۔ جن علمائے دین سے یہ سوال کیا گیا ان سب نے توحید باری تعالیٰ اور رسالت محمدیہ پر ایمان لانے اور ضروریات دین کا اقرار کرنے کو مسلم کہلانے کے لئے ضروری قرار دیا۔ اگر وہ علمائے دین جن سے یہ سوال کیا گیا۔ عدالت کے سامنے مسلم کی جامع و مانع تعریف پیش کرنے سے قاصر رہ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اچانک اس سوال کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ عدالت ان سے مسلم کی ایسی جامع و مانع تعریف حاصل کرنا چاہتی ہے۔ جسے اسلامی مملکت کے دستور اساسی میں شامل کیا جا سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صحیح طریق کار یہ ہے کہ یہ سوال علمائے دین کی ایک مجلس کے سامنے پیش کر کے مسلم کی جامع تعریف متعین کرائی جائے۔

۳...... ارتداد

فاضل جج صاحبان نے ارتداد اور کفر و تکفیر کے بارے میں علمائے دین کے باہمی اختلافات کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ تکفیر کے ان فتووں کی موجودگی میں جو مختلف فرقوں کے علماء نے ایک دوسرے کے بارے میں دے رکھے ہیں۔ ارتداد کے جرم کے اطلاق کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا اور وہابیوں، دیوبندیوں، بریلویوں، شیعوں اثنا عشریوں وغیرہ میں سے ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے عقائد قبول کرنے والے شخص کو مرتد سمجھنا پڑے گا۔ فاضل جج صاحبان نے کفر و ارتداد کی بحث کے دوران میں جن مشکلات کا نوٹس لیا ہے وہ بلاشبہ غور طلب ہے اور ایک اسلامی مملکت کے علمائے دین کو ان مسائل کے بارے میں معین اصول و قواعد ضبط تحریر میں لانے پڑیں گے۔ جن کو دستور اساسی اور قوانین ملکی کے لئے مشعل راہ بنایا جا سکے۔ فاضل جج صاحبان رپورٹ کے اس مقام پر اگر تکفیر کی وہ تصریح درج کر دیتے جو مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے عدالت کے سامنے پیش کی تھی اور بتایا تھا کہ ان کے نزدیک کفر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کفر قطعی اور ایک کفر فقہی، کفر قطعی کی صورت میں اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر فقہی کی صورت میں دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا تو رپورٹ کے پڑھنے والوں کو اس اشکال کی ماہیت سمجھنے میں بہت مدد ملتی۔ جس کی طرف فاضل جج صاحبان نے ملک کے ارباب دانش و بینش کو توجہ دلائی ہے۔

۴...... مسئلہ جہاد اسلامی

فاضل جج صاحبان نے شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریرات، ان کے بیانات نیز بعض علماء کے جوابات سے فریضۂ جہاد بالسیف اور اس کے متعلقہ نقاط مثلاً غنیمت، خمس، اسیران جنگ، دارالحرب، دارالسلام، ہجرت، غازی اور شہید وغیرہ پر بھی مخمل سا تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ جہاد اور اس کے متعلقہ مسائل کے بارے میں جو آراء عدالت کے سامنے پیش کی گئیں وہ ان خیالات وافکار سے لگاؤ نہیں کھاتیں جو عصر حاضر کے فکر نے جارحیت، نسل کشی، بین الاقوامی جرائم کی عدالتی گیرائی اور بین الاقوامی قوانین کے مسلمات وقواعد وغیرہ کے متعلق قائم کر لئے ہیں۔ اسی فصل میں فاضل جج صاحبان نے قرآن پاک کی آیات کے ناسخ ومنسوخ ہونے کی بحث کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو قادیانی فریق کی طرف سے پیش کی گئی۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ ان مسائل کے بارے میں فاضل جج صاحبان کے افکار جس التباس کا شکار ہوئے ہیں وہ نتیجہ ہے۔ اس بات کا کہ جہاد اور اس کے متعلقہ مسائل کے اسلامی تصورات نامکمل صورت میں عدالت کے سامنے آئے۔ اگر عدالت ان مسائل کے بارے میں پوری تحقیقات کرنے کی زحمت گوارا کرتی تو جج صاحبان کے ضمائر پر یہ بات روشن ہو جاتی کہ جنگ اور اس کے متعلقہ کوائف کے بارے میں اسلام کے تصورات ان تصورات سے کہیں افضل اور نوع انسانی کے لئے آیہ رحمت وموجب خیر وبرکت ہیں۔ جو عصر حاضر کے مفکرین نے صدہا سال کے تجربوں پر غور وفکر کرنے کے بعد قائم کئے۔ قوانین جنگ کے بارے میں اسلام کے صحیح تصورات اگر بین الاقوامی محافل کے سامنے پیش کئے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عصر حاضر کا دماغ جو نوع انسانی کی مشکلات کا حل تلاش کرنے کی جستجو میں ہے۔ انہیں قبول نہ کرے۔ اسلام کے جہاد کا بنیادی نقطہ دین اسلام اور مسلمانوں کے جان ومال، عزت وآبرو اور شئون ملی کے دفاع کی خاطر لڑنا یعنی اسلحہ کے ساتھ جنگ کرنا ہے اور جب تک اسلام اور مسلمانوں کے شئون ملی سے برسر پیکار رہنے والی قوتیں موجود ہیں۔ مسلمانوں کے لئے شمشیر بکف رہنا اور قرآن پاک کے بتائے ہوئے قواعد واصول کے مطابق دفاعی جنگ جاری رکھنا ضروری ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے یا مودودی صاحب نے جہاد کا مقصد جو یہ بیان کیا ہے کہ تلوار کی طاقت کے بل پر دین اسلام کی اشاعت کی جائے وہ صحیح نہیں۔ اس بنیادی نقطہ کو سمجھ لینے کے بعد دارالحرب، دارالسلام، عام

کیفیت میں جہاد کے فرض کفایہ ہونے اور خاص حالات میں فرض لازم بننے کے مسائل بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مال غنیمت، اسیران جنگ اور دشمن سے بحالت جنگ اور بعد از جنگ سلوک کرنے کے بارے میں اسلام کے احکام ان قواعد وضوابط سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ جن پر عصر حاضر کی متمدن دنیا عمل پیرا ہے۔ اسلام کو جارحیت اور نسل کشی کا حامی قرار دینا دشمنان اسلام کا پروپیگنڈا ہے۔ مسلمانوں نے عملاً جارحیت اور نسل کشی سے اجتناب کیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں نسل کشی کی کوئی مثال دکھائی نہیں جا سکتی۔ حالانکہ اسلام سے پہلے اور بعد عصر حاضر تک بعض اقوام دشمن کی نسل کشی کو جائز سمجھتی چلی آئی ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتی رہی ہیں۔ ایک صحیح اسلامی مملکت کو اس امر کا خوف لاحق نہیں ہو سکتا کہ عصر حاضر کے بین الاقوامی قوانین کے ساتھ اسلام کے قوانین منطبق نہیں ہوتے۔ بلکہ صحیح اسلامی مملکت اگر بین الاقوامی محافل کے سامنے اسلام کے قوانین پیش کرے تو دنیا کے مذاق سلیم کو اپنا ہم نوا بنا سکتی ہے۔

۵......مال غنیمت اور خمس

مال غنیمت اور خمس کے بارے میں اسلام کے قانون کے متعلق فاضل جج صاحبان نے اس اندیشے کا اظہار کیا ہے۔ ''البتہ اگر غنیمت اور خمس کو جہاد کے لوازم خیال کیا جائے تو بین الاقوامی سوسائٹی اسے خالصۃً لوٹ مار کے اقدام سے تعبیر کرے گی۔'' (رپورٹ انگریزی ص ۲۷)

اس معاملے میں بھی فاضل جج صاحبان کو اس وجہ سے التباس ہوا کہ ان کے سامنے مسئلے کی ماہیت جامع صورت میں پیش نہیں ہوئی۔ اسلام کے نزدیک جہاد ایک مذہبی فریضہ ہے۔ جو خالصۃً فی سبیل اللہ ادا کیا جاتا ہے۔ جہاد کی نیت کو اگر کسی قسم کے دنیوی لالچ سے آلودہ کر لیا جائے تو وہ جہاد نہیں رہتا۔ لیکن جنگ میں مال غنیمت کا ہاتھ آنا ایک لازمی امر ہے۔ عصر حاضر کی جنگوں میں بھی فاتح فریق مال غنیمت پر قبضہ جما لیتا ہے اور وہ مال فاتح فریق کا حق متصور ہوتا ہے۔ یہی قانون اسلام کا ہے۔ اسلام کے رو سے اصولاً مال غنیمت بیت المال کا حق متصور ہوتا ہے۔ ''یسئلونك عن الانفال قل الانفال للہ ولرسول (۸:۱)'' کی آیہ کریمہ اس پر دال ہے۔ اس کے بعد خمس یعنی پانچویں حصے کو بیت المال میں رکھنے اور باقی مال کو مجاہدین پر بحصہ رسدی تقسیم کر دینے کا جو حکم قرآن پاک میں مذکور ہے وہ مخصوص حالات سے متعلق ہے۔ یہ مال صرف ان مجاہدین پر بانٹا جاتا ہے جو محض اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی نیت خالص کے ساتھ اپنے

خرچ پر اور اپنا ساز و سامان لے کر میدان جنگ میں حاضر ہوں۔ اسلام نے عربوں کے رواج کو کہ وہ فتح کی حالت میں مد مقابل کے اموال کو لوٹنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ کلیۃً محو کرنے کے احکام صادر کئے ہیں اور انفرادی حیثیت سے دشمن کا مال لوٹ کر اپنے قبضے میں لینا قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔ خمس و تقسیم کا حکم صرف اس مال کے لئے ہے جو جنگ کے نتیجے میں خود بخود ہاتھ لگ جائے اور اس کی تقسیم بھی امیر کی مرضی پر موقوف ہے۔ امیر چاہے تو سارے مال غنیمت کو بیت المال میں داخل کر کے مجاہدین کے وظائف مقرر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فتح ایران کے بعد کیا۔ اگر مال غنیمت اور اسیران جنگ کے بارے میں دنیا کی اقوام باہمی مشورے سے ایسا قانون بنائیں جس پر عمل کرنا سب کے لئے ضروری ہو تو اسلام مسلمانوں کو ایسے بین الاقوامی معاہدات طے کرنے سے نہیں روکتا۔ جس کا فائدہ متحارب فریقوں کو یکساں طور پر پہنچتا ہو۔ ایسے متبادل معاہدات کرنے میں مسلمانوں کو کسی قسم کی دقت پیش نہیں آ سکتی۔ البتہ جہاں اسیران جنگ کا تبادلہ ممکن نہ ہو وہاں اسلام نے ہزیمت خوردہ دشمن کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرنے کے لئے انہیں اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر غلام بنا لینے کی اجازت دی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ اسلام کے ہاں جس کیفیت کو غلامی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ کس قدر رحمدلانہ سلوک کی حامل ہے۔ دنیا کی "مہذب ترین" قومیں عصر حاضر میں اسیران جنگ کو موت کے گھاٹ اتارنے، انہیں بدترین صورتوں میں غلام بنا کر رکھنے کی مرتکب ہو رہی ہیں اور بدنام اسلام کو کیا جا رہا ہے کہ اس نے اسیران جنگ کو مخصوص حالات میں غلام بنا کر رکھنے کی اجازت دے دی۔ اس بات کو کوئی نہیں دیکھتا کہ اسلام کے ہاں غلام کے حقوق کیا ہیں؟ اس کا درجہ کیا ہے؟ عصر حاضر کا دماغ اسیران جنگ کے متعلق کوئی ایسا قاعدہ وضع نہیں کر سکا جو اسلام کے بتائے ہوئے قاعدے سے بہتر ہو اور جس کی رو سے جنگی اسیر امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکتا ہو۔

٦...... اسلامی ریاست

ریاست اور حکومتی نظام کے متعلق اسلام کے تصورات کیا ہیں؟ اس موضوع پر فاضل جج صاحبان نے بعض گواہوں کے بیانات کی روشنی میں مسئلے کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ اسلامی ریاست واصر کے بارے میں علمائے کرام نے جو تصورات پیش کئے ہیں وہ جمہوری ریاست کے ان تصورات سے بہت مختلف اور متصادم ہیں جو عصر حاضر کے سیاسی فکر نے وضع کر

رکھے ہیں۔ اس سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے افکار کے اس الجھاؤ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو پاکستان کی اسلامی مملکت کا تصور پیدا کرنے والے زعمائے فکر و عمل کے دماغوں میں پایا جاتا ہے اور لکھا ہے کہ قرارداد مقاصد جس پر پاکستان کے دستور اساسی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ خود اسلامی ریاست کے اس تصور سے لگاؤ نہیں کھاتی جو بعض علماء نے عدالت کے سامنے پیش کیا۔ فاضل جج صاحبان نے اس بارے میں فکر و تخیل کے غیر واضح ہونے کے متعلق جو تجزیہ کیا ہے اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی سٹیٹ کی ہیت ترکیبی کے بارے میں افکار کا الجھاؤ ان متصادم و متخالف نظریات کا نتیجہ ہے جو دنیا میں آج سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے موجود ہیں اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ علمائے اسلام نے کسی دور میں بھی سٹیٹ کے متعلق خالص اسلامی تصورات کو پوری طرح مدون کرنے کے لئے اس توجہ تدقیق اور محنت سے کام نہیں لیا۔ جس سے کہ انہوں نے فقہ، حدیث، اخلاقیات اور دیگر دینی اور دنیوی علوم کی تدوین کی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر دنیا کے کسی خطے میں اسلامی نظام سیاست قائم کیا گیا تو اس کے خدوخال ان نظام ہائے سیاسی سے مختلف ہوں گے جو جمہوری نظریات کے نام پر دنیا کے مختلف ملکوں میں قائم ہیں اور چہرے مہرے کے اعتبار سے خود اپنے درمیان بہت کچھ مختلف انداز رکھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان مفکرین تحقیق و تدقیق اور بحث و تمحیص سے کام لے کر اسلامی ریاست کا ایک جامع نظام نامہ مرتب کریں تا کہ افکار کے اس الجھاؤ کو دور کیا جا سکے جو اس سلسلے میں دماغوں کے اندر پایا جاتا ہے۔

۷......لہو ولعب اور آرٹ

فاضل جج صاحبان نے بعض علماء سے فنون لطیفہ اور لہو ولعب کے متعلق بھی سوالات کئے اور ان کے جوابات کی بناء پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے بعد مجسمہ سازی، مصوری، فوٹو گرافی، موسیقی، ناچ، مخلوط اداکاری، سینما، تھیٹر اور تاش، شطرنج وغیرہ کو بند کرنا پڑے گا۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام مخرب اخلاق آرٹ اور تضیع اوقات کرنے والے کھیل تماشوں کی اجازت نہیں دیتا اور ایک معاشرہ جو اسلامی تصورات کو زندگی بسر کرنے کے لئے راہ عمل بنائے گا۔ ہر اس بات کو معیوب سمجھے گا جو اسلام کے معیار اخلاق پر پوری نہیں اترتی۔ لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ اسلام فنون لطیفہ اور ایجادات عصری کے صحیح استعمال کا بھی مخالف ہے۔ فنون لطیفہ ایجادات کے متعلق جواز و عدم جواز کا بنیادی معیار اسلام کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ لہو ولعب کے لئے ہیں تو

ان کا یہ استعمال ناجائز ہے اور اگر ضرورت وافادیت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان پر شرعی حیثیت سے کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ بنا بریں اسلامی ریاست کو فنون لطیفہ اور کھیل تماشوں کے بارے میں امتناع وعدم امتناع کا فیصلہ ان کی افادی حیثیت کے پیش نظر کرنا پڑے گا۔ خواہ یہ بات تہذیب عصری کے دل دادگان کے طبائع پر گراں گزرے۔

۸...... جمہوریت، قیادت اور نمائندہ حکومت

عدالت تحقیقات کو ان ذرائع کے مکتفی یا نامکتفی ہونے کا جائزہ لینا تھا جو حکومت پنجاب نے فسادات کو دبانے کے لئے اختیار کئے۔ اس سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے جمہوریت، قیادت اور نمائندہ حکومت کے موضوعات پر بھی ضمناً تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے: "فریق ہائے مقدمہ کے فاضل وکلاء ہمارے سامنے جمہوری اصولوں کی بناء پر اپیل کی اور بڑی شدومد کے ساتھ اس بات پر زور دیا کہ مطالبات متفقہ تھے اور ایک جمہوری ملک میں جب کسی مطالبے کو اتنی طاقت ور اور ہمہ گیر تائید حاصل ہو تو حکومت اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے مجبور ہے۔ خواہ اسے منظور کرنے کے نتائج کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہمارے سیاسی لیڈر جنہیں عوام اپنے ووٹ سے منتخب کرتے ہیں۔ اقتدار کی گدیوں پر متمکن ہونے کی پوزیشن محض اس لئے پاتے ہیں کہ عوام انہیں اس جگہ پر بٹھاتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے ووٹروں کی خواہشات کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہیں۔ وزارت اور مسلم لیگ کی جانب سے بھی ہمارے سامنے اسی اصول کا اعادہ کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ نمائندہ طرز کی حکومت میں سیاسی لیڈر کو اسی صورت میں عوام کا نمائندہ قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ وہ عوام کے احساسات، معتقدات اور خواہشات کا احترام کرے اور انہیں جامعہ عمل پہنائے۔ لیکن ایک ایسے ملک میں جس کے عوام کا حصہ غالب جاہل ہو اور نہایت معمولی شرح فیصد تعلیم یافتہ اشخاص کی ہو۔ اس موقف کا اعتراف اس اضطراب آفرین نتیجہ پر لے جائے گا کہ ہمارے لیڈر ...یالات کی طرف سے کورے رہتے ہوئے عوام کی جہالت وعصبیت کے پیکر بنے رہیں۔ جن ملکوں کے انتخاب کنندگان اپنے ووٹ کی قدر وقیمت سے واقف ہوں اور اپنے ہاں کے مخصوص مسائل اور دنیا کے عمومی واقعات ورجحانات کو سمجھنے کے لئے فہم وذکاوت کا کافی سرمایہ رکھتے ہوں اور قومی اہمیت کے جملہ امور پر صحیح فیصلہ کرنے کے لئے کافی حد تک ترقی یافتہ فکر کے مالک ہوں۔ وہاں لیڈروں کو عوام کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا چاہئے یا

اقتدار کی کرسیوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔ لیکن ایک ایسے ملک میں جیسا کہ ہمارا ملک ہے ہم ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہو کر کہتے ہیں کہ لیڈروں کا حقیقی وظیفہ عوام کی رہنمائی کرنا ہے نہ کہ ہر بات میں ان کی خواہشات کے سامنے چلنا۔"

(رپورٹ انگریزی ص ۶۷۵،۶۷۶)

انہی تفکرات کی بناء پر فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ کو حسب ذیل فقرہ پر ختم کیا ہے۔ "بالآخر ایک شے جسے انسانی ضمیر کہا جاتا ہے۔ ہمیں یہ سوال کرنے پر مجبور کر رہی ہے کہ آیا ہمارے سیاسی ارتقاء کی موجودہ حالت میں آئین وقانون کے انتظامی مسئلے کو اس کے جمہوری ہم بستر یعنی وزارتی حکومت سے الگ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ جس کے سینے پر سیاسیات کا کابوس سوار رہتا ہے۔ اگر جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ قانون وآئین کو سیاسی اغراض کا تابع بنا دیا جائے تو واللہ اعلم بالصواب اور ہم اپنی رپورٹ کو ختم کرتے ہیں۔" (رپورٹ انگریزی ص ۳۸۷)

عدالت کے یہ ریمارکس بہت غور طلب ہیں۔ حکومت خواہ کسی شکل کی ہو یعنی جمہور کی نمائندہ حکومت ہو یا کسی مطلق العنان حکمران کی استبدادی حکومت یا غیر ملکی غلبہ واستعمار کی حکومت، اس کا اولین وظیفہ بلاشبہ ضبط ونظم اور امن وآئین کو قائم رکھنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر قسم کی حکومت کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ عوام کے مطالبے کی طرف مناسب توجہ دے۔ نمائندہ حکومتیں تو اس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں۔ البتہ استبدادی حکومتیں طاقت وقوت کے بل پر عوام کی خواہشات کو عارضی طور پر کچلنے اور دبائے رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ عدالت تحقیقات کی اس دریافت کے بعد کہ ہمارے عوام تعلیم یافتہ اور عصری افکار سے باخبر نہیں۔ اس لئے یہاں نمائندہ جمہوری حکومتیں قانون وآئین کے احترام کو ملحوظ خاطر نہیں رکھ سکتیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وظیفہ کس کے سپرد کیا جائے؟ تاکہ عوام کو ایسے مطالبات وضع کرنے سے روکا جا سکے۔ جن پر ارباب حکومت کسی نہ کسی وجہ سے توجہ نہیں دے سکتے یا جن کو وہ اپنی سمجھ کے مطابق لغو اور بیہودہ یا ناقابل عمل خیال کرتے ہیں اور نہ اس بات کی جرأت رکھتے ہیں کہ عوام پر ان کی "لغویت" ظاہر کرنے کے لئے سامنے آ سکیں۔ انہی مطالبات کو لیجئے جو خود عدالت کی رائے میں مذہبی احساسات پر مبنی اور اشتعال انگیزی کا نتیجہ ہیں۔ جو ایک قلیل التعداد مذہبی گروہ نے ملک کی ساری آبادی کے احساسات کے علی الرغم شدومد کے ساتھ جاری تھی۔ ان مطالبات کو ارباب حکومت نے

شروع ہی سے درخور اعتنا خیال نہ کیا اور سیاسی جماعتوں کے لیڈر جن میں مسلم لیگ کی با اقتدار ہستیاں بھی شامل ہیں ان کے بارے میں آج تک کوئی رائے قائم نہیں کر سکے۔ چہ جائیکہ وہ عوام کی رائے کو ہم نوا بنانے کے لئے ساعی ہوتے۔ کیا یہ کیفیت ان مطالبات کے وزن پر شاہد و دال نہیں؟ اور اگر ارباب حکومت وقیادت کی کم نگاہی، بزدلی اور بے بصیرتی کی وجہ سے عوام کا اضطراب ترقی پذیر ہو کر ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ آئین وقانون کے مسائل کھڑے کر دے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

۹...... مغرب زدہ فکر کی خوف زدگی

اس رپورٹ میں منجملہ دیگر امور کے یہ بات نہایت واضح طور پر اور عام اشجار کے مقابلے میں شمشاد وصنوبر کی بلند قامتی کے ساتھ نمایاں طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ ہمارے ملک کا وہ طبقہ جو برسر اقتدار ہے اور جس کے اذہان نے مغربی افکار اور صرف مغربی افکار کی گود میں پرورش پائی ہے۔ بے طرح ذہنی غلامی کا شکار ہو رہا ہے اور اپنے ہاں کی ہر چیز کو حتیٰ کہ دینی معتقدات وشعائر کو بھی قدروں کے اسی معیار پر پرکھنے کا عادی ہے جو اہل مغرب کے فکر نے عصر حاضر میں مقرر کر لیا ہے اور جس میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ دوسری جانب ہمارا وہ طبقہ جس نے علوم دینیہ کے مطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ عصری افکار سے ناآگاہ ہونے کے باعث اسلام کی تعلیمات کو ایسے انداز میں پیش کرنے سے قاصر ہے جو عصر حاضر کے دماغوں کے لئے قابل فہم ہو۔ رپورٹ میں جابجا اس امر کے اعترافات واظہارات موجود ہیں کہ ہمارے ارباب اقتدار کو جن ملحوظات وملفوظات نے عامۃ المسلمین کے سہ گانہ مطالبات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے سے روکے رکھا۔ وہ یہی تھے کہ باہر کی دنیا ہمیں کیا کہے گی؟ چنانچہ فاضل صاحبان لکھتے ہیں کہ: ''بلاشبہ وہ (خواجہ ناظم الدین) مطالبات کو منظور کر سکتے تھے یا ذاتی طور پر وعدہ کر سکتے تھے کہ وہ مطالبات کی حمایت کریں گے۔ اس صورت میں کوئی گڑبڑ نہ ہوتی اور اگر کچھ ہوتی تو شاید اس وقت جب کہ یہ معاملہ دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش ہوتا۔ احمدی ایک قلیل التعداد قوم ہیں۔ وہ غالباً مزاحمت نہ کر سکتے اور بدامنی پھیلانے کے قابل نہ ہوتے۔ چوہدری ظفر اللہ خان کے الگ کئے جانے پر بین الاقوامی حلقوں میں کچھ چہ میگوئیاں ہوتیں۔ لیکن پاکستان کی آبادی (خواجہ صاحب کے) اس اقدام پر تحسین وآفرین کے پھول نچھاور کرتی۔ پھر خواجہ ناظم

الدین نے یہ پیش پا افتادہ اقدام کیوں نہ کیا؟ صرف اس لئے نہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا اعلان دوسرے اسلامی ملکوں میں موثر نہ ہوتا۔ بلکہ انہوں نے ان دور رس نتائج کے خوف سے ایسا نہ کیا جن کا ذکر اس رپورٹ کے دوسرے مقام پر کر دیا گیا ہے۔ اگر مطالبات منظور کر لئے جاتے تو پاکستان کو بین الاقوامی سوسائٹی سے خارج کر دیا جاتا۔" (رپورٹ انگریزی ص ۲۸۲)

"وہ (خواجہ ناظم الدین) مطالبات کو منظور نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایسا کرنا پاکستان کو مضحکہ خیز پوزیشن میں ڈال دیتا اور بین الاقوامی دنیا کی آنکھیں کھل جاتیں کہ مشرقی، متصادم اور جمہوری ریاست ہونے کے بارے میں پاکستان کے دعاوی کی حقیقت کیا ہے؟"

(رپورٹ انگریزی ص ۲۶۴، ۲۶۵)

فاضل جج صاحبان نے خواجہ ناظم الدین کے فکری الجھاؤ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ انہیں یہ فکر تھا کہ: "چوہدری ظفر اللہ خان بین الاقوامی دنیا میں بہت شہرت رکھتے ہیں اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی برطرفی کی خبر بڑے وسیع پیمانے پر نشر ہو گی اور بین الاقوامی تنقیدات کا مورد بنے گی۔ اس برطرفی کی کوئی ایسی تشریح جو بین الاقوامی ضمیر کو مطمئن کر سکے۔ تلاش کرنا مشکل ہو گا...... لہذا مطالبات کی منظوری بین الاقوامی حلقوں میں چہ میگوئیوں کے دروازے کھول دیتی اور بین الاقوامی دنیا کی توجہ نفیاً یا اثباتاً پاکستان کے واقعات کی رفتار کی طرف جلب ہونے لگتی۔" (رپورٹ انگریزی ص ۲۳۳)

۱۰...... تجدید اسلام اور احیائے دین

اور ان مفکورات کی بناء پر فاضل جج صاحبان نے یہ نتیجہ اخذ کیا: "(بحالات موجودہ) اسلام کو عالمگیر تخیل کی حیثیت سے محفوظ رکھنے کی اور مسلمان کو اس دقیانوسی ناموزونیت سے نکال کر جس میں وہ مبتلا ہے عالم حاضر و دنیائے مستقبل کا شہری بنانے کی صورت یہ ہے کہ جرأت سے کام لیتے ہوئے اسلام کی تجدید کر کے اس کی زندہ و عامل خصوصیات کو بے جان خصوصیات سے الگ کر دیا جائے۔" (رپورٹ انگریزی ص ۲۳۲)

یہ ہے مغرب زدہ طبقہ کی پکار جو مغرب کے افکار، اہل مغرب کی معاشرت اور ان کے طرز بود و باش سے اس حد تک مسحور ہو چکا ہے کہ زندگی کے متعلق اسلام کے تصورات کی عظمت و ماہیت کا اخذ کرنا بھی اس کے دماغ کے لئے بڑا مشکل اور کٹھن کام بن رہا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ سیاسیات و معاشرت میں بین الاقوامی فکر ابھی ارتقائی منازل طے کر رہا ہے اور ان تلخ تجربوں

کی روشنی میں جو نوع انسان کو ہر شعبہ حیات میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ کسی مستقل اور پائیدار حل کو تلاش کرنے میں سرگرداں ہے۔ اسلام اب سے کوئی چودہ سو سال پہلے ان جملہ مشکلات کا حل نوع انسان کے سامنے پیش کر چکا ہے۔ اگر نوع انسان کا فکر اس چراغ کی روشنی سے استفادہ کرتے ہوئے جو اسلام نے روشن کر رکھا ہے۔ راستہ تلاش کرے تو انسانیت صراط مستقیم پر سرعت رفتار کے ساتھ گامزن ہو سکتی ہے اور ان منازل مقصود تک جلد پہنچ سکتی ہے۔ جن تک پہنچنے کے لئے اس کے شعوری اور لاشعوری تقاضے اسے بیقرار رکھتے ہیں۔ نوع انسانی کو یہ روشنی دینا اور یہ صراف مستقیم دکھانا مسلمانوں سے مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے اور اقوام عالم کے سامنے ان مسائل کا صحیح حل پیش کرنے کے لئے اسلام کی تعلیمات یعنی قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کرنے کی سعی کی جائے اور اس بارہ میں پوری تحقیق اور کاوش سے کام لیا جائے۔ تجدید اسلام یا احیائے دین اسی سعی و کوشش کا نام ہے اور یہ سعی و کوشش ایسے ادوار میں ضروری ہو جاتی ہے جب مسلمانوں میں بیرونی اثرات کی وجہ سے فکر و عمل کی گمراہیاں ترقی پذیر ہو جاتی ہیں۔ اگر تجدید اسلام کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر یا تاویلات و تحریفات کے بل پر عصری افکار کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے تو یہ تجدید اسلام کی نہیں بلکہ تخریب اسلام کی کوشش ہو گی۔ اس قسم کی سعی پر وقت اور طاقت ضائع کرنے سے یہی بہتر ہے کہ مغرب زدہ لوگ اسلام کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور سیاسی، معاشرتی، معاشی اور قانونی امور میں عصر حاضر کے ترکوں کی طرح افکار مغرب کا پورا تتبع کرتے ہوئے پاکستان کو ایسی مملکت بنا لیں جسے عصر حاضر کی اصطلاح میں متجدد، مترقی، متقادم اور جمہوری کہا جاتا ہے اور اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تصورات کے اسی میدان میں ناچنے اور دوڑنے لگیں۔ جس میں کہ اقوام مغرب دوڑیں لگا رہی ہیں اور صحیح تجدید اسلام اور احیائے دین کا کام کسی اور قوم کے لئے یا آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رہنے دیں۔ جس کار عظیم سے عہدہ برآ ہونے کے ہم اہل نہیں۔ اسے کرنے کی حامی بھرنے یا اس پر ہاتھ ڈالنے سے یہی بہتر ہے کہ ہم اس کا خیال ہی ترک کر دیں۔ لیکن ایسا کرنے کے باوجود مسائل بدستور حل طلب رہیں گے۔ جن کو حل کرنے سے گریز کی راہ اختیار کر کے ہمارے ارباب سیاست وقیادت نے ملک کو ۱۹۵۳ء کے فسادات سے دوچار کر دکھایا۔ جب تک ہم اس ذہنیت کے ساتھ چلنے پر مجبور ہیں کہ اگر ہم نے یہ

کام کیا یا وہ کام کیا تو دنیا ہمیں کیا کہے گی؟ اس وقت تک ہم اپنے داخلی اور خارجی امور کو اپنے حسب منشاء اور اپنے لوگوں کے آرام و آسائش کے لئے سرانجام نہیں دے سکیں گے۔اس مفروضہ یعنی" دنیا ہمیں کیا کہے گی۔" کے ماتحت عدالت تحقیقات کے فاضل جج صاحبان نے مغرب زدہ طبقہ کی جن دماغی الجھنوں کا اور جن مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ان پر اگر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کیا جائے اور ان کے حل کی مناسب تدابیر اپنے لوگوں کے محسوسات کے پیش نظر سوچی جائیں تو یہ عقدے اتنے لاینحل نہیں۔ جس قدر کہ سمجھے جا رہے ہیں۔ مصیبت صرف یہ ہے کہ ہمارے ارباب حل وعقد کی فکری صلاحیتیں محض اس خوف سے کہ دنیا ہمیں کیا کہے گی۔شل ہوکر رہ جاتی ہیں اور ان کیفیات ومسائل کو حل کرنے سے جو ملک کے اندر رونما ہوتے ہیں گریز کی راہ اختیار کر لیتی ہیں اور یہ بات عدالت تحقیقات کے سامنے اظہر من الشمس اور بین من الامس ہوکر ظاہر ہو چکی ہے۔ ہمارے ارباب قیادت نے متفق اللسان ہوکر یہ کہا کہ ہمارے دماغوں نے ابھی تک مطالبات کے حسن وقبح یا ان کی صحت وعدم صحت کے بارے میں کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا۔ ایسی حالت میں وہ عوام کی رہنمائی کیا کریں گے۔

۱۱.....ارباب سیاست وقیادت کی کوتاہیاں

بہرکیف جہاں تک مطالبات کا تعلق ہے۔ تحقیقات نے یہ بات ایک دفعہ پھر ثبت کر دی ہے کہ عوامی مطالبہ کی طرف سے ارباب سیاست وقیادت کا آنکھیں موند لینا ہمیشہ ناگوار کیفیات پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ان کو دیکھنا چاہئے کہ اگر عوامی مطالبات میں وزن ہے اور وہ معقولیت پر مبنی ہیں تو انہیں کسی اندرونی یا بیرونی خوف سے متاثر ہوئے بغیر عوام کو ان مطالبات کے بارے میں مطمئن کرنے کی تدابیر اختیار کرنے میں تامل سے کام نہ لینا چاہئے اور اگر مطالبات لغو اور بیہودہ ہوں جیسا کہ بعض پولیس افسروں نے سیاستین کا لبادہ پہن کر اپنی رپورٹوں میں مجلس عمل کے مطالبات کو قرار دینا شروع کر دیا۔ (رپورٹ انگریزی ص ۱۴۴،۸۰)

تو ارباب سیاست کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ عوام پر ان کے مطالبات کی لغویت واضح کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور اپنے ہم خیالوں کی جمعیت کو تقویت دیں۔ فاضل جج صاحبان نے بھی اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ:" ہمارے عوام اتنے بیہودہ نہیں کہ وہ معقول بات پر کان نہ دھریں اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو نہ سمجھیں۔" (رپورٹ انگریزی ص ۲۷۵)

ظاہر ہے کہ اگر مدعیان قیادت یہ طرز عمل اختیار کرتے تو مطالبات کی منظوری یا

نامنظوری کا معاملہ جمہوری سیاسی اختلاف کی نوعیت اختیار کر لیتا اور ان معاملات کو طے کرنے کی آئینی جمہوری صورتیں پیدا ہو جاتیں۔ مطالبات کے حامیوں کو ڈائرکٹ ایکشن کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ جس کو عدالت نے منجملہ اسباب فسادات کے ایک سبب قرار دیا ہے۔

۱۲......علمائے دین

طبقہ علمائے دین کے بارے میں عدالت نے اس رائے کا اظہار کیا ہے؟ علماء فاضل طبقہ کے لوگ ہیں۔ لہٰذا جملہ پرستاران علم کی طرح واجب الاحترام ہیں۔ لیکن ان فاضلین کی طرح جو اپنی قوتوں کو کسی خاص موضوع کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ ان کے اذہان کا ارتقاء ایک ہی راستے پر ہوا ہے اور ایک راہ ذہن خطرناک امکانات کا حامل ہوتا ہے۔ تاہم آپ متخصصین کے بغیر گزارا بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے لئے ایک عمومی پیشہ ور یعنی ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان تمام مضامین پر جو کسی متخصص کے خصوصی دائرہ علم وفکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ حاوی ہو، اپنے مضمون کے سوا دیگر مضامین کے متعلق متخصص کے زاویہ نگاہ کا تنگ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ہم ''ملائیت'' اور ''مذہبی دیوانگی'' ایسی ارزاں اور عمومی اصطلاحات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ایک عام گریجویٹ جو اپنے مضامین کے سطحی علم سے زیادہ اور کچھ مبلغ علم نہیں رکھتا۔ ایسے جملوں کے استعمال میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ گویا کہ وہ برتر شخصیت کا مالک ہے۔ کیا اسی طرح آپ ایک ماہر علم النباتات کو نباتیات کا ایک ماہر علاج امراض پا کر معالجہ یا کا طعنہ دے سکتے ہیں۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ علماء کا زاویہ نگاہ اس لئے تنگ ہے کہ وہ علماء ہیں۔ وہ اس لئے تنگ ہے کہ علماء زندگی کے ایک ہی شعبہ کے متخصصین ہیں۔ (رپورٹ انگریزی ص ۲۹۸، ۲۹۹)

علمائے دین پر مخالف فریق کی طرف سے ان کے تشدد پسند ہونے کے بارہ میں جو اعتراضات وارد کئے گئے ان کا ذکر کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان نے لکھا ہے کہ: ''یہ دلیل کہ وزیراعظم نے علماء سے متصادم ہونے کی جو ممانعت کر رکھی تھی وہ صوبائی دائرہ میں ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنے پر منتج ہوئی۔ اس مفروضہ کی حامل ہے کہ علماء شورشی اور بدزبان مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ہیں۔ جو تشدد کی تلقین کرتے ہیں اور خون نظاروں سے خوش ہوتے ہیں۔ علماء کو مذہبی دیوانے پکارا جائے تو غالباً انہیں اس سے انکار نہ ہوگا۔ لیکن ان سے ایک بھی ہمارے سامنے اس

امر کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ تشدد کی مذمت نہیں کرتا۔ مولانا میکش نے جنہوں نے علماء کے مقدمہ کی وکالت نمایاں سرگرمی کے ساتھ کی احمدیوں کے خلاف دیوانہ وار جوش کا حامل ہونے کے باوجود چھوٹے لیڈروں کی بدزبانی اور تیز کلامی کی مذمت کی۔ ایسی تیز کلامیوں کے مرتکب جو حوالہ جات میں پائی جائیں گی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، سید مظفر علی شاہ شمسیؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ اور چند دیگر اشخاص۔ ہمیں اس سلسلہ میں مولانا اختر علی خان کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے۔ لیکن یہ حضرات علم دین کی گہرائیوں سے آگاہ ہونے کے مدعی بھی نہیں اور نہ اپنے آپ کو علماء کی جماعت میں سے خیال کرتے ہیں۔''

(رپورٹ انگریزی ص ۲۹۷)

خاتمہ کلام

فاضل جج صاحبان نے ان اہم کوائف ومسائل کو بے نقاب کرنے میں جو ہمارے ملک کو درپیش ہیں پاکستانی معاشرے کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ اب پاکستانی معاشرے کے مختلف عناصر کا کام یہ ہے کہ عدالت تحقیقات کی اس رپورٹ کے آئینے میں اپنے اپنے چہرے دیکھیں اور ایسا طرز عمل اختیار کریں جو ملک میں امن وسکون کی فضاء کو تقویت دینے کا موجب ہو۔ واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین! ۲۱ راگست ۱۹۵۴ء

احقر العباد امرتضی احمد خان میکش درانی

عرض حال

یہ تبصرہ جو کتابچہ کی صورت میں ہدیہ قارئین کرام ہے۔ پہلے پہل روزنامہ ''نوائے پاکستان'' کے خاص رپورٹ نمبر مورخہ ۲۹ راگست ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس تبصرہ کی تحریرواشاعت کے لئے جو محرکات محرک ہوئے وہ اخبار مذکور کے اداریہ میں مشرح طور پر بیان کر دیئے گئے تھے۔ یہ اداریہ بھی توضیح مطالب کے پیش نظر کتابچہ میں شامل کیا جاتا ہے۔

وھوھذا!!

''آج کی اشاعت عدالت تحقیقات فسادات کی رپورٹ پر سیر حاصل تبصرے کی نذر کی جارہی ہے۔ یہ تبصرہ کتابچہ کی صورت میں شائع کرنے کی نیت سے لکھا گیا تھا۔ لیکن اس خیال کے پیش نظر کہ معروضات زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچ جائیں۔ اسے اخبار کی ایک ہی اشاعت میں درج کیا جارہا ہے۔

اس تبصرہ کی اشاعت کا ابتدائی مقصد جیسا کہ پیش لفظ میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان لوگوں کو جنہیں ضخیم رپورٹ پڑھنے کی فرصت نہیں۔ ایک مرتب اور اجمالی صورت میں ملک کے اہم کوائف و مسائل پر فاضل جج صاحبان کی تنقیدات سے روشناس کرا دیا جائے۔ جنہوں نے دس ماہ کی محنت شاقہ سے کام لینے کے بعد اس رپورٹ کی صورت میں نہایت ہی قیمتی دستاویز تیار کر کے ملک کے سامنے پیش کر دی ہے۔

اس تبصرہ کی اشاعت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی سعی کی جائے جو اس رپورٹ کے مندرجات پر پوری توجہ نہ دینے کی وجہ سے عامۃ الناس میں بلکہ پڑھے لکھے حلقوں میں پھل پھول رہی ہیں۔

تیسرا مقصد یہ ہے کہ مملکت عزیز پاکستان کے جملہ عناصر کو توجہ دلائی جائے۔ وہ اس کے مندرجات کی روشنی میں اپنے فکر و عمل کے رجحانات کا جائزہ لیں اور آئندہ کے لئے ان رجحانات سے بچنے کی کوشش کریں۔ جو مارچ ۱۹۵۳ء کے افسوسناک حادثات کی تخلیق کا موجب بنے۔

جان لینا چاہئے کہ ہمارے ملک کو اس سلسلے میں اہم فکری اور حیاتی مسائل درپیش ہیں۔ جن کو خوش اسلوبی کے ساتھ اور وطن خواہی کی اسپرٹ میں حل کئے بغیر ہم امن و سکون کی وہ فضا پیدا نہیں کر سکتے۔ جو کسی ملک کو یا کسی معاشرے کو ترقی و بلندی کی شاہراہ پر گامزن کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ایسے اہم مسائل کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے یا ان کو حل کرنے کی سعی سے گریز کرنے کی روش معاملات کو مزید الجھاؤ ہی میں ڈالنے پر منتج ہو سکتی ہے۔ سلجھاؤ پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ مسائل جن کی نشاندہی فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں کی ہے۔ ایسے ہیں جو کسی نہ کسی لحاظ سے پاکستان کے ہر فرد کے دل و دماغ کو متاثر کر رہے ہیں۔ طبائع عمومی کا یہ اضطراب و انتشار اس وقت تک دور نہ ہوگا۔ جب تک کہ ارباب حکومت سیاسی پارٹیاں اور ارباب قیادت اور ملک کے دیگر عناصر ان مسائل کا خوشگوار حل تلاش کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ کر آگے نہیں بڑھیں گے اور باہمی مشورت اور افہام و تفہیم سے ایسے نتائج پر پہنچنے کی کوشش نہیں کریں گے جو تصادموں کو روکنے والے اور فسادات کے سرچشموں کو بند کر دینے والے ہوں۔

ان گذارشات کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں یہ "رپورٹ نمبر" پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ارباب فہم و بصیرت اسے اسی توجہ کے ساتھ پڑھیں گے۔ جس کی امید میں نویسندۂ عاجز نے یہ تبصرہ سپرد قلم کیا ہے۔

مرتضیٰ احمد خان میکش درانی!